ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

ماخذ تحقیقی مجلہ

زینت امان
پی۔ایچ۔ڈی، اردو(اسکالر)، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔
ڈاکٹر بشریٰ پروین
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔

پاکستانی ناولوں میں ثقافت کا فقدان اور جدید ٹیکنالوجی

Zeenat Aman
Phd Urdu, Scholar, NUML, Islamabad
Dr.Bushra Parveen
Assistant Professor, Urdu Department, NUML, Islamabad

Lack of Culture and Modern Technology in Pakistani Novels

This article presents the deficiencies and challenges in Pakistani culture and also highlights the problems of new writers with this regard.This article also pointout the issues which are being faced by Pakistani culture and civilization. To be specific literature in Subcontinent is source of creative expression about cultural values. There is also change in pattern of novel during 21st century because of scientific inventions. Over the years, the Information technology and internet services have created new style of telling story. Literature , civilization and culture are interlinked to each other.Literature of every era is the best mirror of social life of its era.In order to make writing successful the writer reflects the society by understanding the meaning of civilization,history and culture.

Keywords: *Culture, Civilazation, Intenet, Mobile, Laptop, Latest Technology, Internet, Literature.*

ناول چونکہ زندگی کا عکاس ہے اس لیے انسانی زندگی کے احساسات، جذبات اور فطری حقائق کو بیان کرنے کا وسیلہ ہے۔ناول میں موضوعات کا تنوّع انسانی زندگی کے تنوّع کی مانند ہے۔ناول نگار اپنی ضرورت کے پیشِ نظر زندگی کے کسی ایک پہلو کو چُن کر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ لکھنے والوں نے تہذیبی، رومانوی، سماجی اور

تاریخی ناول لکھے۔ اصطلاح میں ناول کے معنی وہ کہانی ہے جس کا موضوع انسانی زندگی ہوتا ہے اور ناول نگار ان کے پہلوؤں کا مشاہدہ کر کے اسے ایک خاص ترتیب سے اپنی کہانی میں برتتا ہے۔ناول بھی داستان کی طرح مسلسل قصے کا دوسرا نام ہے لیکن ان دونوں میں بنیادی فرق بے لگام تخیل، مافوق الفطرت عناصر اور زبان کا ہے۔ کیونکہ ناول ان تمام عناصر سے پاک ہوتا ہے اور انسانی زندگی کے قریب تر ہوتا ہے۔ڈاکٹر اسلم آزاد، ناول کی تعریف میں لکھتے ہیں:

> "ناول کے فن کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ حقائق حیات کی آئینہ سامانی ہو۔ناول کا فن انسانی معاشرے کی سرگرمیوں اور ان سے پیدا ہونے والی مختلف النوع کیفیتوں کی عکاسی کرتا ہے یعنی ناول بنیادی طور پر تخیلات سے زیادہ تجربات حیات کا شعور رکھتا ہے۔ناول نگار محض خواب وخیال کی باتوں کو پیش نہیں کرتا بلکہ خواب وخیال کو بھی حقائقِ زندگی کے لئے استعمال کرتا ہے۔"(۱)

تہذیب کسی بھی ثقافت کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے اور تہذیب ہی کی بدولت ثقافت پروان چڑھتی ہے اور اس کے ساتھ دیکھا جائے تو ہر معاشرے میں مذہب کو بھی بنیادی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ مذہب کو بنیادی اکائی مانا جاتا ہے۔ ہر معاشرے کی اپنی اقدار وروایات ہوتی ہیں، جس کے تحت ثقافت کسی قوم یا معاشرے کی تہذیب وتمدن، رہن سہن، اقدار، روایات، اور معاشرتی حیثیت کی عکاس ہوتی ہے۔ ان دنوں ثقافتی پروگراموں کے نام پر ہونے والے ڈراموں کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ دانستہ طور پر ہماری ثقافت کا حلیہ بگاڑنے کی شعوری یا لاشعوری کوششیں جاری ہیں اگر ان پر قدغن نہ لگائی گئی تو ہمارا کلچر صرف تاریخ کی کتابوں تک ہی محدود رہے گا۔ڈاکٹر جمیل جالبی اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "ہمارے معاشرہ کا اگر کوئی بنیادی مسئلہ ہے تو یہی تہذیبی مسئلہ ہے۔ہماری زندگی میں جو بیزاری، پسپائیت اور کھوکھلا پن نظر آتا ہے اور ہر قدر، ہر قانون اور انصاف اندھے کی لاٹھی بن گئے ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے۔یہ تضاد، عدم تحفظ کا احساس، پسپائیت اس بات کی علامت ہے کہ ہماری مروجہ اقدار ممانیت بہم پہنچانے کی سکت سے محروم ہوگئی ہیں۔وہ اب ہمارے اندر آتشِ شوق بھڑکانے کی قوت نہیں رکھتیں۔ اس لئے تعلیم صرف پیٹ پالنے کا ذریعہ ہے۔"(۲)

کسی بھی تہذیب کے بارے میں جاننے کے لئے اس ملک کے رہنے والوں کی روایات، زبان، خیالات، قانون اور رسم و رواج کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ ادیب کے لب و لہجے میں تہذیب و ثقافت کی مٹھاس ہونے کی وجہ سے وہ قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھتا ہے۔ لفظ کلچر یا ثقافت پر غور کرنے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ کلچر بھی معاشرے میں بسنے والے افراد کے طور واطوار اور ان کے خیالات کا عکاس ہے۔ احمد اعجاز کلچر کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> " کلچر ایک ایسی اصطلاح ہے جو زندگی کے جملہ پہلوؤں کا خواہ وہ زندگی کے باطنی پہلوؤں، خواہ خارجی پہلو ہر دو کا احاطہ کر لیتا ہے۔ زندگی کا وہ پہلو مذہبی، سماجی، اخلاقی، سیاسی اور معاشی بھی ہو سکتا ہے اور پھر ان پہلوؤں سے جڑی روایات، اقدار، رسم و رواج وغیرہ بھی ہو سکتی ہیں۔"(۳)

یہ حقیقت واضح ہے کہ اگر راستہ معلوم ہو تو منزل کو پانا آسان ہو جاتا ہے، کوئی بھی ادیب تہذیب، ثقافت اور کلچر کو سمجھنے کے بعد معاشرے کی عکاسی کرتا ہے اور اپنی تحریروں کو کامیاب بناتا ہے۔ ثقافت اور سوسائٹی ایک دوسرے کے متبادل ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے لیے بہت ضروری ہیں، اگرچہ دونوں اصطلاحات میں واضح فرق موجود ہے سوسائٹی یا معاشرہ لوگوں کا ایسا گروہ ہے جو جغرافیائی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی اعتبار سے یکساں خصوصیات کا حامل ہوتا ہے، جب کہ کلچر لوگوں کے مشترکہ رویے اور عقائد و اقدار کے مجموعے کا نام ہے، جس میں مادی اور غیر مادی تمام عناصر شامل ہوتے ہیں مادی عناصر میں ایسے عناصر شامل ہوتے ہیں جن کی مدد سے سوسائٹی اپنا کلچر پیش کرتی ہے۔ مثلاً گھر، شہر، اسکول، عبادت گاہ، دفاتر، کارخانے، آلات و اوزار، اشیا اور اُن کی پیداوار کے طریقے اور سائنس اور ٹیکنالوجی شامل ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو تاج محل مغلیہ تہذیب کا یک نمایاں ترین مظہر ہے، ہر تہذیب کے لیے معاشرے اور کلچر (ثقافت) کا ہونا ضروری ہے جب کہ تہذیب کے لیے کلچر کا ہونا بنیادی بات ہے۔ اگر کلچر نہ ہو تو تہذیب اپنے آثار کی صورت میں اپنے کلچر کا پتا دیتی ہے جیسے مغلیہ کلچر آج موجود نہیں مگر اس کے نشانات یا آثار آج ان کی (مغلوں) تہذیب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جیسے ہڑپہ، ٹیکسلا اور موئن جو داڑو کی تہذیب کے آثار یہ باور کراتے ہیں کہ یہاں کبھی معاشرہ اور کلچر (ثقافت) بھی موجود تھا۔

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

ہندوستانی تہذیب دنیا کی پرانی تہذیبوں میں سے ایک ہے۔ ہندوستانی کلچر بہت سی ثقافتوں کا آمیزہ ہے، جس کی تاریخ ہزاروں برس پرانی ہے۔ یہاں صدیوں سے بدھ مت، اسلام، ہندو مت، جین، سکھ، عیسائی اور دوسرے قبائل و مذاہب کے ماننے والے لوگ رہتے چلے آئے ہیں اور ان کے کلچرز کا ایک دوسرے میں انجذاب بھی ہوتا چلا آتا ہے۔ ہندوستانی تہذیب و ثقافت میں ہمیں ہر طرف مذہب کے رنگ بکھرے نظر آتے ہیں ۔ہندوستان کی زبانیں، مذاہب، رسم ورواج، تہوار، رہن سہن، موسیقی، رقص، فنِ تعمیر، ادب اور تہذیب و ثقافت کے دیگر عناصر میں جابجا تنوّع دکھائی پڑتا ہے، جس بناپر ہندوستانی تہذیب و ثقافت کو مختلف علاقائی کلچرز کا ملغوبہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے، دنیا کے کسی بھی خطے پر جہاں مختلف قومیں ساتھ رہتی ہوں وہاں تہذیبی حوالے سے جذب و انجذاب کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ کلچر چونکہ ساکن نہیں، بلکہ متحرک ہوتا ہے اس لئے یہ تبدیلیوں کے عمل سے گزرتا رہتا ہے۔ اسی طرح برصغیر کے ایک نامور محقق، نقاد اور دانشور ڈاکٹر جمیل جالبی نے کہا ہے کہ:

> "کلچر کسی قوم یا معاشرے کی وہ مشترک خصوصیت ہے جس سے نہ صرف ہم اسے پہچانتے ہیں بلکہ دوسرے معاشروں اور قوموں سے ممیز بھی کرتے ہیں۔ کلچر کی اقدار بحیثیت مجموعی اپنے عاملوں کو ذاتی مفاد سے بلند تر کر دیتی ہے اور وہ ان اقدار، دلچسپیوں اور مقاصد میں اس درجہ محو ہو جاتے ہیں کہ ذاتی مفاد، حصول زر و جاہ جیسی چیزوں کو بے مایہ سمجھ کر حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔"[۴]

ادب اور تہذیب و ثقافت کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ نہایت گہرا ہے۔ ہر دور کا ادب اپنے دور کی سماجی زندگی کا بہترین آئینہ دار ہوتا ہے۔ تہذیب و ثقافت کی اصطلاح، ادب کی اصطلاح سے زیادہ جامع ہے۔ کلچر (ثقافت) کوئی ایسی شے ہرگز نہیں ہے جس میں یکسانیت پائی جائے اور نہ ہی یہ کسی جزو سے مل کر بنا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بہت سے چھوٹے بڑے اجزاء سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ اسی لیے ہندوستان اور پاکستان میں ادب ثقافتی اقدار کے بھرپور تخلیقی اظہار کا ذریعہ ہے۔ اس طرح اُردو زبان و ادب پورے برصغیر کا ثقافتی تشخص اور پاکستان اور ہندوستان کی ثقافتی زندگی کی پہچان کا ذریعہ ہے۔ اور خارجی زندگی کو بدلنے کا بھی ذریعہ ہے، اس سے معاشرتی و ثقافتی زندگی میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔

عربی زبان کے لفظ "ثقافت" جس کا مادہ "ث۔ق۔ف" ہے۔ لغوی طور پر جس سے کسی چیز، مقام یا مقصد کو تلاش کر لینا یا پالینا مراد لیا جاتا ہے۔ ثقف، ثقف اور ثقافتہ عربی زبان کے الفاظ زیرکی، دانائی اور کسی کام

کرنے کی مہارت رکھنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، ثقف سے مراد یعنی وہ زیرک اور دانا ہوا۔ اُردو میں کلچر کے لیے "تہذیب" اور "ثقافت" دونوں الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اور "کلچر" کا لفظ بھی رائج ہے۔ اردو میں ثقافت کا لفظ انگریزی لفظ کلچر کے مترادف کے طور پر رائج ہے اور یہ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ثقافت میں لچک ہونے کی وجہ سے مزید نئے نظریات، عقائد، رسوم ورواج کو اپنے اندر ضم کرنے کی خوبی موجود ہوتی ہے۔ انہی وجوہات کی بناپر تمام ممالک ایک گلوبل ولیج (عالمی گاؤں) میں تبدیل ہو گئے ہیں، کسی بھی ملک میں آنے والے تبدیلی چاہے وہ اقتصادی، سیاسی، سماجی سطح پر ہو تو وہ بلا مشروط ہر سماجیاتی بشریات سے متاثر ہوتی ہے اور کلچر یا ثقافت کو بھی متاثر کرتی ہے۔ ثقافت میں تغیر پذیری یکسانیت کی ضد ہے جو نئی ثقافت کو اپنانے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے اور انسانی فطرت کا حصہ ہے:

> "انسانوں "تمناؤں اور تقاضوں کی تکمیل کا دوسرا نام ثقافت ہے۔ ثقافت ہی انسان کو انفرادی اور اجتماعی طور پر تحرک اور رفتار مہیا کرکے، ان کو اپنے ماحول سے ہم آہنگ ہونے کے لیے بنی نوع انسان نے کئی قسم کے وسائل ایجاد کیے اور انھیں استعمال کرنے کا ڈھنگ دوسروں کو بھی سکھایا۔"(۵)

بالخصوص اس دھرتی میں جس میں ہم رہتے ہیں ہماری ثقافت کی جڑیں پیوست ہیں، یعنی ہماری ثقافت کا پودا اس سرزمین کا مرہونِ منت ہے، اس سرزمین میں بسنے والے لوگ علم و دانش، فکر و نظر اور حکمت کی دولت سے مالا مال ہیں۔ جو ثقافت کے دائرے میں آنے والے تمام اُمور کے مطابق اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ ثقافت میں اتنی وسعت ہے کہ اس نے ہماری زندگی کے تمام اُمور کو اپنے احاطے میں لیا ہوا ہے۔ یہ وہ ثقافت ہے جس پر لوگ فخر کرتے ہیں۔ ثقافت اپنی تغیر پذیری کی وجہ سے کوئی فخر کرنے کی چیز نہیں ہیں، کیونکہ اس میں ہماری تباہ شدہ ثقافتیں بھی شامل ہیں جن کے شاید اب نام ہی باقی ہیں۔ تہذیب و تمدن کو زندہ رکھ کر ہی ہم ثقافت کو زندہ رکھ سکتے ہیں۔ اسی سلسلے میں ڈاکٹر غلام علی الانا اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

> "ثقافت ہماری تہذیب اور تمدن کی اعلیٰ ترقی ہے۔ اس ترقی میں طبعی، ذہنی اور روحانی ترقی آجاتی ہے۔ یہ ترقی تربیت اور تجربے پر منحصر ہوتی ہے۔"(۶)

انسان ثقافتی جاندار ہے، ثقافت وہ بنیادی خوبی ہے جس کی بدولت انسان دیگر مخلوقات سے ممتاز ہوتا ہے۔ اردو کی کم از کم پانچ لغات ایسی ہیں جو ثقافت کے معنی میں تہذیب و تمدن کو درج کرتی ہیں۔ مہذب لکھنوی اس

کے معنی: "استحکام اور تعلیم یافتہ طبقے کی زبان دیئے ہیں"(۷)اکیسویں صدی کے ناولوں کو نئے ناول اس بناء پر کہتے ہیں کہ ان میں ناول نگار نے اپنے عہد کی بھرپور ترجمانی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے معاشرے کی عکاسی بھی کی ہے۔ نیا اردو ناول مغربی ناول کے ہم پلہ ہے اور اس خصوصیت کی بناء پر دیگر زبانوں میں ترجمہ ہونے کی صلاحیت سے مالامال پاتے ہیں۔ شاید انھی خصوصیات کی بنا پر ہندوستان کے معروف نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کہا ہے کہ:

> "اکیسویں صدی کو "ناول صدی" کا نام دیا ہے۔ "نیا اردو ناول" اس لیے بھی اہم ہے کہ اس میں نئے مفاہیم و معانی کی معلومات بھی ہے اور نئے انکشافات بھی۔ حقائق کو انشا بھی کیا گیا ہے اور مستقبل کے عرفان کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔ حقیقتیں کھل کر بیان کی گئی ہیں اور سب سے بڑھ کر ان میں زمانے کے عروج و زوال، نشیب و فراز اور محاسن و مصائب کا کھل کر بیان ملتا ہے۔"(۸)

اکیسویں صدی کی ناول نگاری میں بہت بڑی تبدیلی کی وجہ سائنسی ایجادات کا بھرپور استعمال ہے۔ ان برسوں میں جس قدر انٹرنیٹ، فیس بک، ای میل اور انٹرنیٹ سے کہانیوں نے جنم لیا ہے وہ ایک جدید انداز اختیار کر گیا۔ یہ زمانہ انتہائی ترقی یافتہ ہے، اس عہد میں چشم زدن میں واقعات رونما ہوتے اور پلک جھپکنے میں ہی بدل جاتے ہیں۔ سائنسی ترقی میں جدت آنے کی وجہ سے پرانی تہذیب و ثقافت کا چہرہ مکمل طور پر مسخ ہو رہا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی میں فون کا استعمال بھی شامل ہے کیونکہ پہلے وقتوں میں پوسٹ کا نظام چلتا تھا جس میں لوگ ہفتوں خط آنے کا انتظار کرتے تھے اس انتظار میں بھی ایک اپنائیت تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ٹیکنالوجی نے جتنی ترقی کی اتنا ہی انسان اپنوں سے دور ہوتا گیا۔ اب لوگ اپنے پیغامات فون، ایس ایم ایس، ای میل، واٹس ایپ کے ذریعے بھیج دیتے ہیں لیکن اس میں وہ اپنائیت باقی نہیں رہی۔ ہماری ثقافت پر جہاں ان چیزوں کے مثبت اثرات نظر آتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ چیزیں ہماری ثقافت میں بحران کا باعث بھی ہیں:

> "تو نے اس دن کے بعد فون کیوں نہیں کیا۔ "کلثوم نے تھیلا فرش پر ڈالا اور خود صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔ "تو لمبے سفر سے آئی ہے۔ نہا دھو لے پھر باتیں کریں گے۔ آ کہاں سے رہی ہے تو۔"(۹)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جدید سہولیات کا استعمال گاؤں کے لوگوں کے لیے ایک ہیبت ناک چیز ہے کیونکہ گاؤں کی زندگی شہر کے مقابلے میں سادہ ہوتی ہے اور وہاں لوگ دیسی طریقوں سے علاج معالجہ کرتے

ہیں۔ لیکن وقت کے ساتھ جیسے ہماری زندگی میں تبدیلیاں آتی گئی ایسے ہی ہماری زندگی سادگی سے دور ہوتی گئی اور مشینی زندگی کے قریب تر ہوتی گئی۔ ناول "پانی مر رہا ہے" کے ایک اقتباس سے ہم آگاہ ہوتے ہیں کہ کس طرح ایک سادہ لوح انسان ہسپتال میں لگے آلات سے پریشان ہو کر آئندہ ڈاکٹر کے پاس جانے سے توبہ کرتا ہے:

> "مریض بے چارہ اپنے سر سے چند فٹ کے فاصلے پر لگے عجیب ہئیت کے بلبلوں اور دیگر آلات سے اتنا دہشت زدہ ہوتا، جیسے بڑے بڑے سیاستدان اور صحافی شاہی قلعے کے ٹارچر سیل کو کو دیکھ کر ہوتے تھے۔ فوراً ہی بیماری سے مکر جاتا اور ڈاکٹر کی ایک ہی دوا سے بھلا چنگا ہونے کی نوید سنا کے آئندہ اس مذبح خانے میں جانے سے توبہ پکڑتا۔"(۱۰)

مٹی کے دیے کی جگہ اب ہر گھر میں بجلی کے بلب اور قمقمے استعمال ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف ٹی وی کے آنے سے دادی اماں کے قصے بھی قصہ پارینہ ہو گئے ہیں۔ ایسی کئی چیزیں جو ہماری مشرقی تہذیب کا خاصہ تھیں اب ماضی بن چکی ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ اب شہر اور گاؤں کے فاصلے بھی سمٹ گئے ہیں، دیہات کے ساتھ جو منظر ہمارے تخیل میں آتے تھے اب وہ دیکھنے کو نہیں ملتے۔ اس کی جگہ شہر کے ہنگاموں نے لے لی ہے۔ ڈاکٹر علی لکھتے ہیں کہ:

> "موجودہ دور میں ترقی ناقابلِ تردید حقیقت ہے مگر جو گاؤں کی تہذیب اور کلچر ہے وہ معدوم ہو رہا ہے۔ اس درد کو دیسی باشندے شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔"(۱۱)

گاؤں سے لوگوں نے شہروں کا رُخ شروع کر دیا جس کی وجہ سے شہر پھیلتے چلے گئے۔ جو شہروں کے اطراف آباد گاؤں تھے اب وہ شہر کا مرکز بن چکے ہیں، ہر چیز میں نمود و نمائش کا رجحان بڑھنے کی وجہ سے اب سادگی کی جگہ نمود و نمائش نے لے لی ہے۔ لوگوں کے درمیان مقابلے کی فضا بڑھنے لگی، فیشن والا لباس ہو یا خوبصورت گھر ہر چیز میں دکھاوا واضح نظر آنے لگا۔ مغرب سے آنے والی ہر سائنسی ایجاد نے بڑی اقدار کو ختم کر دیا ہے، آج حالات یکسر بدل گئے ہیں اور زندگی میں اتنی تیز رفتاری آگئی ہے کہ ہر گزرتا سال ماضی بعید معلوم ہوتا ہے۔ جیسے جیسے گاؤں سے لوگ بہتر تعلیم اور روزگار کے لیے شہروں سے باہر کا سفر کرنے لگے ایسے ہی گاؤں کے لوگوں کی زندگیوں میں خوشحالی آتی گئی۔ ہر گھر میں جدید سہولیاتِ زندگی کو اپنایا جانے لگا اور وہاں فریج، کولر، اے سی وغیرہ کا استعمال عام نظر آنے لگا۔ جیسے پہلے لوگ پانی پینے کے لیے گھڑوں کا استعمال کرتے تھے اور زندگی سادگی کی طرف مائل تھی ایسے ہی وقت گزرنے کے ساتھ زندگی میں بہتر سہولیاتِ کو اپنانے کی خواہشات کی وجہ سے پیچیدگیاں آتی گئی اور زندگی

سادگی سے دور ہوتی گئی۔ طاہرہ اقبال کے ناول "گراں" میں اس کی مثال خالہ اور غزل جان کے درمیان ہونے والی گفتگو ہے:

"خالہ! سارے گراں میں ٹونٹیاں اور ٹینکیاں بھری ہیں۔ فریج اور کولر کو آگ لگائے ختم نہیں ہوتے تم یہ گھڑا اُٹھا کر کہاں چل پڑتی ہو۔۔۔"

غزل جان نے گھڑے کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ بوجھ سے گردن جھک گئی۔

"نہ جھلی! اکیلی جان بھلا کیوں موٹر چلاؤں۔ دو دو موٹریں جیون جوگے لگوا گئے ہیں، پر بجلی کا بل کہیں تھوڑا، یقین کر بلب بھی نہیں جلاتی، دیوا بال کنی آں (دیا جلا لیتی ہوں)۔ سو سو بار مظفر جیون جوگا تاکیدیں کر گیا بھئی آپاں جی بالی کنیا کرو۔" (۱۲)

اب انسان عالمی گاؤں کا حصہ ہے جسے بہت کم وقت میں بذریعہ مواصلات تمام ممالک کے واقعات کی خبر یک دم حاصل ہو جاتی ہے، سفر نامہ سنانے کا رجحان بتدریج ختم ہوتا جا رہا ہے، اب ہر شخص کی انٹرنیٹ تک رسائی آسان ہے ۔ آج کا ناول نگار بھی اس نمود و نمائش بھری زندگی پر افسوس کا اظہار کیے بناء نہیں رہ سکتا، بہت سے ناولوں میں یہ رجحان نمایاں ہے۔ دیہاتی تہذیب کا جدید تہذیب میں تبدیل ہو جانا ہمارے عہد کا بہت بڑا المیہ ہے اس پر بھی شہری زندگی کا رنگ چڑھتا جا رہا ہے۔ شہری زندگی کے شور وغُل اور بے سکونی نے دیہاتی زندگی کو بری طرح متاثر کیا۔ رہن سہن کے طریقے مکمل طور پر بدل چکے ہیں۔ مٹتی ہوئی تہذیبی اقدار کی جانب ڈاکٹر نذیر تبسم نے واضح اشارہ کیا ہے:

"ساری دنیا کے ایک عالمی گاؤں میں سمٹنے کے تصور نے مختلف اقوام کی تہذیبی شناخت پر کاری ضرب لگانا شروع کر دیا ہے۔ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ سٹیلائٹ کی سہولت اور سینکڑوں چینلز کی دستیابی نے مختلف زبانوں اور ثقافتوں کی مخصوص مہکار کو مجروح کر دیا ہے۔" (۱۳)

ٹیکنالوجی میں ترقی ہونے کی وجہ سے ٹیلی ویژن بھی یادِ ماضی معلوم ہوتی ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی بدولت انسان نے اپنی سہولت کے لئے جتنی اشیاء ایجاد کی ہیں وہ انسانی زندگی پر مثبت سے زیادہ منفی اثرات مرتب کر رہی ہیں، جیسا کہ موبائل نے انسانی زندگی پر بے شمار منفی نقوش مرتب کئے ہیں۔ جس کی وجہ سے مقامی اقدار پر مغربی

تہذیب غلبہ حاصل کرتی جارہی ہے۔ جدید تہذیب کے اس مسئلے صبا اکرام اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں:

> "برسوں پڑوس میں رہنے کے باوجود لوگ ایک دوسرے کو نہ جانتے اور نہ پہنچاتے ہیں۔ اور جب ایسی صورتِ حال ہو کہ لوگ ایک دوسرے کو ہی نہ جانتے ہوں تو ان کی آنکھوں میں حیا کہاں سے آئے اور وہ پرائی عزت کو اپنی عزت کیسے سمجھیں، غرضیکہ اپنی عزت و آبرو کی طرف سے بھی اس عہد کا فرد عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا ہو گیا ہے۔"(۱۴)

جدید سہولیات کی وجہ سے آج کے گاؤں تو برائے نام دیہات رہ گئے ہیں، سائنسی ترقی نے گاؤں کی پُر سکون فضاء پر بھی اپنا اثر چھوڑا ہے۔ ذرائع مواصلات اور اطلاعات میں ترقی کے باعث اب دور دراز کے علاقوں میں بھی جدید اشیاء اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال عام نظر آتا ہے۔ دنیا کے زیادہ تر علاقے گلوبل ولیج (عالمی گاؤں) کا حصہ ہونے کی وجہ سے بذریعہ انٹرنیٹ دنیا تمام ممالک کی معلومات تک رسائی ایک لمحے میں حاصل کر سکتا ہے، اب فرد اس کا کس قدر مثبت انداز سے استعمال کرتا ہے یہ اسی پر منحصر ہے:

> "سائنسی ترقی نے زمینی فاصلوں کو مٹا دیا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی برق رفتاری نے ذہنی اور جسمانی فاصلے کم کر دیئے ہیں۔"(۱۵)

جدید ناولوں میں ہمارے عہد کی ایک اہم تصویر کو اُجاگر کیا گیا ہے، کہ کس طرح ہم نے خلوص اور خدمت کے جذبے جیسی مثبت صفات کو پسِ پشت ڈال کر ان کی جگہ منفی اقدار کو اپنا لیا ہے، اقدار کے زوال کے بارے میں صبا اکرام لکھتی ہیں:

> " اس نے اپنی زندگی کے سر سے شام وحیا کی چادر اٹھا کر اپنے گھر کے ایک کونے میں کھونٹی پر ٹانگ دی اور گلے میں دیانتداری اور سچائی کی مالا اُتار کر طاق پر رکھ دی اور پھر جب باہر نکلا تو دولت کے حصول کی راہ میں اس سے ایسی گھناؤنی حرکتیں سرزرد ہوئیں جنہوں نے معاشرے میں غلاظت اور گندگی کا ڈھیر کھڑا کر دیا۔ اور پھر یوں ہوا کہ وہ خود بھی رفتہ رفتہ اس گندگی کے ڈھیر کا حصہ بن گیا۔"(۱۶)

آج ہم پر اکیسویں صدی کی دوسری دہائی کے آخر پر پہنچنے کے بعد بہت سی باتیں واضح ہو چکی ہیں کہ ہمیں اپنی تہذیب کی اقدار مٹتی ہوئی دکھائی دینے لگی ہیں۔ آج کا ناول نگار اتنا باشعور ہے کہ اس کی ظلم کے تمام ذرائع تک رسائی ہے۔ اس نے جنوں، پریوں کی کہانیوں کو بہت پیچھے چھوڑتے ہوئے زندگی کی تقریباً تمام جہات پر اپنی نگاہیں مرکوز کر لی ہیں۔ معاصر عہد کا ایک اور نفسیاتی مسئلہ یہ ہے کہ جدید ٹیکنالوجی نے فرد کو فرد سے بے گانہ کرنے کے ساتھ نوجوانوں اور بچوں کی زندگی پر بھی گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ گھر میں رہنے والے افراد بھی ایک دوسرے کو کم وقت دیتے ہیں، بلکہ وہ موبائل اور لیپ ٹاپ کی وجہ سے ایک دوسرے سے یکسر بیگانہ ہیں ۔

جدید ٹیکنالوجی کے اثرات ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر پڑے جن میں ہمارے رہنے کے انداز، ہمارے ملبوسات، کھانے پینے کے طور و اطوار بھی شامل ہیں۔ آغا گل کے ناول "دشتِ وفا" میں رُخسانہ، قاضی اور نجیب کا کردار اس کی نمایاں مثال ہے۔ ہماری ثقافت میں بحران کا ایک نمایاں پہلو نوجوان نسل میں فیشن ایبل نظر آنا ہے جس کی نمایاں مثال رخسانہ اور نجیب کے دوستوں کے ملبوسات ہیں۔ آغا گل کے ناول دشتِ وفا میں جدید تہذیب کے واضح نشانات ملتے ہیں کہ کس طرح پاکستانی تہذیب پر مغربی تہذیب کی چھاپ نظر آتی ہے۔ دوستوں کی پارٹیاں اور اس میں رات گئے تک لڑکے لڑکیوں کی ملاقاتیں اور اس کے ساتھ مختلف جگہ پر لڑکے لڑکیوں کا شراب پیتے ہوئے نظر آنا یہ تمام چیزیں ثقافت میں بحران کی وجہ ہے اس اقتباس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

> "قاضی اور نجیب نے ڈنڈ غا کے پی تھی۔ سلور کی چھوٹی بوتل نجیب نے جیکٹ کے اندر رکھی ہوئی تھی۔ قاضی نے ہوش و حواس سنبھال رکھے تھے۔ ساتھ ہی ادرک کا قتلہ منہ میں رکھ لیا تھا۔"(۱۷)

مغربی عورت کی دیکھا دیکھی مشرقی عورت نے بھی اپنے بازو میں قوت دکھاتے ہوئے زندگی کے تمام شعبوں میں حصہ لیا ہے۔ مغرب سے آنے والے فیشن نے عورتوں کو اپنے سحر میں جکڑنے کے ساتھ ساتھ ان کے اندر پردے کے رجحان کو بھی کم کیا ہے۔ اس لئے وہ اب پردے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کھلے بالوں اور چست لباس پہن کر چلنے پھرنے کو معیوب نہیں سمجھتی۔ دوسری طرف ہماری نوجوان نسل میں بھی مغرب پرستی فروغ پا رہی ہے اور وہ غیر ممالک میں جا کر کماتے اور وہاں پر رہائش اختیار کرنے پر کمربستہ نظر آتے ہیں۔ مغرب میں جنسی و جسمانی اختلاط کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، وہاں پر ایک عورت کئی مردوں سے بیک وقت رشتہ استوار کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔ مغرب کی دیکھا دیکھی یہ رجحان مشرق میں بھی فروغ پاتا ہوا نظر آرہا ہے۔ ناولوں میں ہمارے

معاشرے میں بڑھتے ہوئے مغربی رجحان کو تلخ الفاظ میں کرداروں کی زبان سے بیان کیا گیا ہے۔اس کی واضح مثال ناول "میرواہ کی راتیں" میں چاچی خیر النسا کا کردار ہے۔ مغربی کلچر کے زیرِ سایہ ہماری ثقافت میں بھی ایسی برائیوں نے جنم لیا جن کی وجہ سے ہماری اقدار میں نمایاں زوال نظر آتا ہے۔پہلے خونی رشتوں کے ساتھ ساتھ لوگ اپنے آس پاس رہنے والوں کی عزت کا بھی خیال رکھا کرتے تھے لیکن اب وہ حیا اور عفت برائے نام رہ گئی ہے، یہ ایک تلخ حقیقت ہے اور اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ناول میں چاچی خیر النسا کا کردار ہمارے سامنے ہے جو اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے نذیر سے تعلقات استوار کیے ہوئے ہے اور اس سے ملنے کے لیے وہ چاچے کو نیند کی گولیاں دیتی ہے۔ دونوں کو اپنی غلطی کا احساس اگلی صبح ہوتا ہے اور نذیر گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے:

> "وہ سوچتا جارہا تھا کہ اسے چاچے کے پاس رہتے چھ مہینے گزر گئے تھے۔اس دوران اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی کہ چاچی خیر النسا اس کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہو جاتی۔وہ اسے اچھی لگتی تھی۔۔۔بالکل جس طرح بھابھی خدیجہ اسے اچھی لگتی تھی۔ چاچی کا جسم پرکشش تھا اور اسے چوری چھپے دیکھ کر وہ لطف اندوز ہوتا رہتا تھا۔"(۱۸)

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ معاصر اردو ناول پر جدید ٹیکنالوجی کی گہری چھاپ ہے۔ دیہاتی زندگی میں ہونے والی تبدیلیاں، ٹیکنالوجی کا استعمال اور شہر کی مصنوعی زندگی نے دیہی زندگی کا رُخ بدل دیا ہے۔ سائنسی ایجادات کی بدولت تمام فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ مشرق میں مغربی اقدار کو ماڈرن ازم کے نام پر اپنایا جا رہا ہے، نوجوان نسل میں ٹیکنالوجی کا استعمال بکثرت ہونے سے بہت سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ مغربیت کے نام پر اس وقت دنیا کا جو نقشہ پیش کیا جارہا ہے معاصر ناول نگار اِس کی بخوبی منظر نگاری کر رہا ہے۔اسی لیے جس وقت وہ لکھنے بیٹھتا ہے تو وہ اپنے سامنے اپنے دور کے تمام موضوعات کو نظر میں رکھے ہوئے ہوتا ہے، جن کو وہ اپنے ناولوں میں پیش کرتا ہے۔ وہ کثیر الجہتی نظریے کے تحت اپنے ناولوں کے موضوعات کا انتخاب کرتا ہے اور کسی ایک ہی مقصد پر نظر نہیں رکھتا جس کی وجہ سے قاری کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آج کے ناول نگار کے ہاں موضوعات میں اس قدر وسعت ہے کہ ہم اُسے پڑھے بغیر رہ نہیں سکتے۔ معاشرے کے ہر رنگ کو ناول نگار اپنے ناول میں دیکھاتا ہے جس کی وجہ سے قاری ناول سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا یہ سب ناول نگار کا اپنے آپ کو عالمی گاؤں کا حصہ سمجھنے کی بدولت ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اسلم آزاد، ڈاکٹر، اردو ناول آزادی کے بعد، نگھار پبلی کیشنز، موناتھ بھنجن، یوپی، ۱۹۸۱ء، ص:۱۱

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پاکستانی کلچر، مشتاق بک ڈپو، شیلڈن روڈ، کراچی ۱۹۶۴ء، ص:۳۲

۳۔ احمد اعجاز، شناخت کا بحران (پاکستانی سماج کا عمرانی مطالعہ)، فکشن ہاؤس لاہور، ۲۰۱۷ء، ص:۵۸

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پاکستانی کلچر، مشتاق بک ڈپو، شیلڈن روڈ، کراچی ۱۹۶۴ء، ص:۳۱

۵۔ غلام علی الانا، ڈاکٹر، زبان اور ثقافت،، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، جولائی ۱۹۸۷ء، ص:۴۸

۶۔ ایضاً، ص:۴۶

۷۔ محمد نعیم ورک، اردو ناول کا ثقافتی مطالعہ (۱۸۶۹ تا ۱۹۴۷ء)، کتاب محل داتا دربار مارکیٹ لاہور، ۲۰۱۹ء، ص:۴

۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پاکستانی کلچر، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع ششم، ۱۹۹۷ء، ص:۴۷

۹۔ محمد عاصم بٹ، ناتمام، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص:۸۱

۱۰۔ آمنہ مفتی، پانی مر رہا ہے، الفصیل ناشران و تاجرانِ کتب، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور، ص:۱۲

۱۱۔ علی، ڈاکٹر، اُردو فکشن کا مطالعہ، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ دہلی، اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص:۷۶

۱۲۔ طاہرہ اقبال، گراں، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۹ء، ص:۱۴۶

۱۳۔ نذیر تبسم، ڈاکٹر، عالمگیریت اور جدید ادبی رجحانات (مضمون) مطبوعہ، ششماہی خیابان، ص:۳۹

۱۴۔ صبا اکرام، جدید صورتیں، فکشن گروپ آف پاکستان، کراچی، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص:۷۷

۱۵۔ عشرت رحمانی، چند ہم عصر افسانہ نگار (تجزیاتی جائزے) جادوان پبلی کیشنز کراچی، ۲۰۰۶ء، ص:۹۲

۱۶۔ صبا اکرام، جدید افسانہ چند صورتیں، فکشن گروپ آف پاکستان، کراچی، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص:۹۳، ۹۲

۱۷۔ آغا گل، دشتِ وفا، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص:۳۷

۱۸۔ رفاقت حیات، میر واہ کی راتیں، عکس پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص:۱۷